ڈاکٹر شبیر احمد قادری

# اصولِ تحقیق اور قاضی عبدالودود

Research endeavours to explore the dormant realities of the world. It is an all encompassing activity which rums like a serum in every sphere of life. In Urdu language there is strong tradition of sound and valid research. Among the well known researchers who made their name in this realm, Qazi Abdul Wadud is distinguished for pioneering important principles and methods of research. His contribution is recognized by the scholars and researchers alike. In this article the author explores the mode of research and services of Qazi Abdul Wadud.

---

تحقیق زندگی کے کسی بھی شعبہ میں ہو، ملفوف اور سربند حقیقتوں کی نقاب کشائی کا نام ہے۔ تحقیق کی تعریف اور اس کے ضوابط کی تشکیل و درجہ بندی کے کئی مراحل طے کیے جا چکے ہیں۔ مگر تلاش و جستجو کا عمل ہنوز جاری ہے۔ سفر جاری ہے۔۔۔ تاہم منزل دُور ہے۔۔۔ اُردو میں ادبی تحقیق کے حقیقی اور نمایاں بنیاد گزاروں میں ایک محترم و معروف نام قاضی عبدالودود کا بھی ہے۔ قاضی صاحب کسی ملک میں تحقیق کے پست معیار کو اس ملک کے باشندوں کے اخلاقی معیار کی پستی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور یہ بات حقیقت سے بعید بھی نہیں ہے ہم یہ بات شاعری اور نثر کے حوالے سے بھی کہہ سکتے ہیں کہ نثر ایک حدِ درجہ سنجیدہ عمل ہے، مشرقی ممالک میں جس کی پیشکش شاعری کے مقابلے میں محدود ہے۔

تحقیق، جس حق گوئی، غیر جانبداری اور عالمانہ شان کا تقاضا کرتی ہے، قاضی عبدالودود اس سے متصف دِکھائی دیتے ہیں۔ قاضی صاحب کا انداز تحقیق تجزیاتی ہے۔ جس میں وہ تاریخی عناصر کو بہر صورت پیشِ نظر رکھتے اور حسبِ ضرورت ان سے اِستفادہ کرتے ہیں۔ وہ اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ تھے کہ جس شعبہ میں تحقیقی عمل جاری ہو، اس شعبہ کی روایات سے آگاہی لازم ہے۔۔۔ عہدِ گزراں کی بازیافت تحقیق کی نمایاں جہت ہے۔ امروز کی بلند و بالا عمارت، ماضی کی مضبوط بنیادوں پر ہی استوار ہے۔

قاضی عبدالودود ایک سخت گیر محقق کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ ان کی تحقیقات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بات دوٹوک انداز میں کرنے کے عادی تھے اور اس ضمن میں کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ہم دیکھتے کہ انھوں نے غیر معروف اور غیر اہم اہلِ قلم کے ساتھ ساتھ اہم اور نمایاں ادبا کی تخلیقات و تحقیقات کو بھی اپنی توجہ کا مرکز بنایا اس لیے کہ نمایاں اور معروف ادبا ہی قارئین پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ سو ایسے میں ان کی تحریروں میں پائے جانے والی تاریخی اغلاط اور تسامحات کو بھی لوگ سچ ماننا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسی غلط بات جو صدیوں سے درست مانی جا رہی ہو تو محقق کا فرض ہے کہ وہ دلائل کے ساتھ حقیقتِ حال کو

واضح کرے۔اُردو کے جن محققین نے اسے فرضِ عین سمجھا خالص تحقیق کو رواج دیا،ان میں قاضی عبدالودود بھی شامل ہیں،جنھیں اُن کی معیاری تحقیق کی بناپر کبھی معلم المحققین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور کبھی تنبیہ الغافلین قرار دیا جاتا ہے۔

قاضی عبدالودود نے بابائے اُردو مولوی عبدالحق، مولانا محمد حسین آزاد،خواجہ احمد فاروقی اور گیان چند۔۔۔جیسے اہم ادیبوں اور محققوں کی تحریروں کا بنظرِعمیق جائزہ لیا اور ان میں موجود خامیوں اور غلطیوں کی طرف نہ صرف توجہ دِلائی بلکہ اصل کی جانب ہماری رہنمائی بھی کی۔'حق بحق دار رسید' کے اصول کو مدِنظر رکھتے ہوئے انھوں نے منسوب اشعار کو ان کے حقیقی شعرا کی طرف لوٹایا اور اُن کے حوالے بھی دیئے۔پروفیسر نیر مسعود نے لکھا ہے کہ قاضی عبدالودود، نامور محقق مسعود حسن رضوی ادیب کے قریب ترین دوستوں میں سے تھے اور ادیب کے سب سے زیادہ ادبی اختلافات بھی قاضی صاحب ہی سے تھے۔ خصوصاً محمد حسین آزاد کے سلسلے میں۔آزاد پر سب سے سخت تنقید قاضی صاحب نے ''آزاد بہ حیثیت محقق'' میں کی ہے اور آزاد کی سب سی زیادہ مدافعت ادیب کی کتاب ''آبِ حیات کا تنقیدی مطالعہ'' میں ہوئی ہے۔۔۔ادیب ان کی تنقیدی سخت گیری کی شکایت کرتے تو قاضی صاحب کئی معاصروں کی تحقیقی غلطیوں کی مثال دے کر پوچھتے کیا آپ چاہتے ہیں، میں ایسے بیانوں پر'بجاارشاد' کہوں قاضی صاحب نے اس فیصلہ کن لہجہ سے پتا چلتا ہے کہ وہ تحقیق کو حد درجہ سنجیدہ اور ذمہ دارانہ عمل سمجھتے تھے۔حقائق تک رسائی کے لیے وہ کسی مصلحت سے کام نہیں لیتے تھے۔تاہم وہ اس ضمن میں وہ احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑے تھے۔ڈاکٹر سیّد شاہد اقبال نے قاضی عبدالودود کی تحقیقی کاوشوں کو پانچ شقوں میں واضح کیا ہے۔(۱)

i۔ قاضی عبدالودود پہلے سے کسی بات کا فیصلہ کر کے آگے کام نہیں کرتے۔جیسا کہ حافظ محمود شیرانی کی کتاب ''پنجاب میں اُردو'' کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے یہ فیصلہ پہلے کرلیا تھا کہ پنجاب کو اُردو کا مولد ثابت کرنا ہے۔چنانچہ اُن کی تمام تر تحقیق اسی محور پر گھومتی ہے۔

ii۔ قاضی عبدالودود کے طریقۂ کار میں یہ بات بھی اہم ہے کہ وہ ہمیشہ غیر جانب دار اور دوٹوک باتیں کہتے ہیں۔خواہ اس سے ان کے آباؤاجداد پر حرف آئے یا احباب و متعلقین ناراض ہوں۔

iii۔قاضی عبدالودود کا حافظہ بہت مضبوط تھا۔لیکن صرف حافظے کی بنیاد پر انھوں نے کبھی کو بات نہیں کہی۔قاضی صاحب مآخذ اور ثبوت کی اہمیت اور ناگزیریت کو خوب خوب سمجھتے ہیں۔اس لیے ہمیشہ Original مآخذ سے کام لیتے ہیں۔ Original مآخذ کو دیکھے بغیر وہ کوئی بات حتمی طور پر نہیں کہتے۔

iv۔قاضی عبدالودود کو عام طور پر خشک مزاج کہا جاتا ہے۔قاضی صاحب اپنی تحریر کے آئینے میں ایسے ہی ہیں کہ وہ تحقیق کو تحقیق کی حد تک ہی رکھتے ہیں۔

v۔ قاضی صاحب تحقیق کو تنقید سے بالکل الگ رکھتے ہیں،لہٰذا اس بنیاد پر ان کی تحقیق کو'خالص تحقیق' کہا جاتا ہے۔(۲)

پروفیسر نذیر احمد نے اپنی کتاب ''قاضی عبدالودود تحقیقی و تنقیدی جائزے'' میں ''اصولِ تحقیق'' کے زیرِعنوان قاضی صاحب کا ایک بے حد اہم مضمون بھی شامل کیا ہے۔گو نا گوں اوصاف اور خوبیوں کے حامل اس مضمون کے اِبتدائیہ میں گو اُسے 'چند سرسری باتیں' قرار دیا گیا ہے۔تاہم اس مضمون کے بغور مطالعہ سے کچھ ایسے رہنما اصولِ تحقیق مرتب کیے جا سکتے ہیں جو اس لیے اہمیت کے حامل ہیں کہ اُن کا ظہور قاضی عبدالودود جیسے نابغہ کے قلم سے ہوا ہے۔قاضی صاحب نے اپنے موقف کی وضاحت کے لیے مثالیں بھی دی ہیں تاہم اختصار کے ساتھ اس میں سے چند سطور یہاں تحریر کی جاتی ہیں۔قاضی عبدالودود لکھتے ہیں کہ ہے کہ:

- تحقیق کسی اَمر کو اس کی اصلی شکل میں دیکھنے کی کوشش ہے۔کوشش کا لفظ ارادۃً مستعمل ہوا ہے۔وجہ یہ کہ دیکھنا اور دیکھنے کی کوشش ایک نہیں،کوشش کامیاب بھی ہوتی ہے اور ناکام بھی،کامیابی کبھی جزوی ہوتی ہے،کبھی کُلی۔

- موضوعِ تحقیق کے انتخاب میں اپنی صلاحیتوں کا لحاظ ضروری ہے اور یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ جس سامان کی حاجت ہوگی، اس کی فراہمی لکھنے والے کے لیے ممکن ہے یا نہیں۔
- بعض موضوعات ایسے ہیں کہ ان پر آزادی سے کچھ لکھنا ضرر رساں ہوسکتا ہے اگر اس کے لیے آمادہ نہیں تو ایسے موضوع پر قلم اُٹھانا نامناسب ہے۔ کسی محقق کے لیے یہ نہایت نازیبا بات ہے کہ اسے خوف راست گفتاری سے باز رکھے۔
- ہر بات یکساں اہمیت نہیں رکھتی لیکن بات اہم ہو یا غیر اہم، محقق کو حقِ تحقیق ادا کرنا چاہیے۔ بعض اوقات کوئی بات جو محض جزئی معلوم ہوتی ہے غیر معمولی اہمیت اختیار کر لیتی ہے۔
- محقق کو خطابت سے احتراز واجب ہے اور اِستعارہ وتشبیہ کا اِستعمال صرف توضیح کے لیے کرنا چاہیے، آرائشِ گفتار کی غرض سے نہیں۔
- اسما کے ساتھ صفات اسی وقت لانا چاہیے جب کوئی صفت لکھنے والے کی اصل رائے کو ظاہر کرتی ہو، تناقض وتضاد اور ضعفِ اِستدلال سے بچنا چاہیے اور مبالغے کو محقق کے لیے سمِ قاتل سمجھنا چاہیے۔ محقق کا مطمحِ نظر یہ ہونا چاہیے کہ کم سے کم الفاظ میں پڑھنے والے پر مافی الضمیر ظاہر کردے۔ یہ غلط ہی کیوں نہ ہو، مگر اسلوبِ بیان ایسا ہو کہ شبہے کی گنجایش نہ رہے۔
- اگر کوئی کتاب مصنف کی زندگی میں ایک بار سے زائد چھپی ہو، تو اس کی صحیح شکل وہ ہے جو آخری بار چھپی ہے۔ بشرطیکہ اگر اس میں تغیرات ہوئے ہیں تو اس کا ذمہ دار خود مصنف ہو، کسی دوسرے شخص کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اس کتاب کی ردکردہ اشاعتوں کے اقتباسات بطور سند پیش کرے۔
- کتابوں کے قلمی نسخوں میں بڑے شدید اِختلاف پائے جاتے ہیں۔۔۔ خود مصنف بھی ردّوبدل کرتا رہتا ہے۔ اس کی مستند شکل، آخری شکل ہے جس کی کتابت کے بعد مصنف نے کسی قسم کا تغیر نہیں کیا۔۔۔ اس آخری شکل کی تلاش ہونی چاہیے۔ یہ نہ ملے تو اس نسخے سے کام لیا جائے، جس میں الحاق کا احتمال مقابلتہً کم ہے۔
- اہم مآخذ کی طرف رجوع کیے بغیر قطعی طور پر رائے قائم نہ کرنی چاہیے۔
- حافظہ دھوکا دیتا ہے۔ لیکن کسی حد تک اس پر بھروسا کیے بغیر چارہ نہیں، ورنہ آپ کو اپنا نام بتاتے وقت اپنا آڈنٹٹی کارڈ جس پر آپ کا عکس بھی ہو، دیکھ لینا پڑے گا۔ سوال یہ ہے کہ کب بھروسا کیا جائے اور کب نہیں؟ اس کا اطمینان بخش جواب مجھے معلوم نہیں۔ دو باتیں اس سلسلے میں البتہ کہہ سکتا ہوں، ایک یہ کہ ہر شخص کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کا حافظہ کن معاملات میں قوی اور کن معاملات میں ضعیف ہے۔ مجھے سیکڑوں سنیں (سنین؟) جن کا تعلق تاریخ ادبِ اُردو سے ہے، یاد ہیں لیکن ایک کے سوا کوئی ٹیلی فون نمبر مجھے یاد نہیں، اور وہ خود میرا ہے۔ دوسری بات یہ کہ جن امور کے لیے حوالہ ضروری ہے وہاں بھروسا نہیں کرنا چاہیے۔ اور کوئی بات ماخذ کی طرف رجوع کیے بغیر نہیں کہی جائے۔ یہ ممکن نہ ہو تو یہ صراحت کردی جائے کہ حافظہ پر اعتماد کیا ہے۔
- اگر کسی دوسرے کی نظم ونثر نقل کی جائے تو صحتِ متن کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔
- محققین کے لیے فنِ قافیہ سے واقفیت ضروری ہے۔
- ناموزوں شعر نقل ہو، تو یہ صراحت ضرور کردی جائے کہ اس میں سقم ہے، ورنہ پڑھنے والا اگر یہ سمجھے کہ ناقل کے نزدیک شعر میں کوئی عیب نہیں تو یہ اس کا قصور نہ ہوگا۔ وہ صاحب جو موزوں اور ناموزوں میں تمیز نہیں کرسکتے، دواوین وغیرہ کی ترتیب کا کام اپنے ذمہ نہ لیں۔ دُنیا میں اور بہت سے کام ہیں۔ ایک نہ ہوسکا تو کیا ہوا۔
- فنونِ ادبیہ کے مصطلحات سے واقفیت بھی ضروری ہے۔

- فنِ تاریخ گوئی کے قواعد سے واقفیت ضروری ہے۔۔۔سنین صرف ہجری، عیسوی اور فصلی نہیں، اور بھی ہیں، یہ دیکھنا چاہیے کہ تاریخ گو نے کس سے کام لیا ہے۔(۳)

سولہ صفحات کو محیط اس وقیع اور پُرمغز مضمون میں سے محولہ بالا سطور میرے نزدیک محققین و مدونین کے لیے ''اقوالِ زرّیں'' کا درجہ رکھتی ہیں۔ایک ایک جملے کی بنیاد پر قاضی عبدالودود نے دلیلوں اور مثالوں کی دِلکش عمارت کھڑی کر دی ہے اور پورا مضمون پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔اس مضمون میں دوسرے اہلِ قلم اور محققین کی لغزشوں کے ساتھ ساتھ قاضی عبدالودود نے اپنی بعض خامیوں کی جانب بھی اِشاریہ کر کے اپنے وسیع الظرف ہونے کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔اس لیے کہ ایک اچھا محقق کبھی اپنی رائے کو حرفِ آخر خیال نہیں کرتا اور نہ تحقیق اس کلیے قاعدے کو تسلیم کرتی ہے۔اپنے اس مضمون میں ایک مقام پر قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ حافظہ دھوکا دیتا ہے لیکن کسی حد تک اس پر بھروسا کیے بغیر چارہ نہیں۔اس ذیل میں قاضی صاحب نے رسالہ ''نقوش'' لاہور کے آپ بیتی نمبر میں مدیر ''نقوش'' کی فرمایش پر اپنے حالات لکھے تھے۔قاضی صاحب نے اس حوالے سے بتایا ہے کہ اپنے بزرگوں کے ذِکر میں حافظے پر اعتماد کیا تھا۔مجھ سے ایک فاحش غلطی یہ ہوگئی کہ میں نے نسب نامے میں ایک نام ہی چھوڑ دیا۔(۴) اس اعتراف کے فوراً بعد قاضی صاحب نے میر حسن کے اس نسب نامہ کا ذِکر بھی کیا ہے جو انھوں نے دیباچہ کلیات اور تذکرۂ شعرا میں دیا ہے۔قاضی صاحب نے بتایا ہے کہ وہ اس باب میں متفاوت ہے کہ ایک میں ایک نام زیادہ ہے حالاں کہ دونوں جگہ خاتمہ میر امامی پر ہوتا ہے، کمی کا ذمہ دار حافظہ معلوم ہوتا ہے۔(۵)

جمیل احمد خاں نے قاضی عبدالودود کی مرتبہ و مدونہ کتب اور مقالات کا اِشاریہ مرتب کیا ہے۔یہ اِشاریہ پروفیسر نذیر احمد کی کتاب ''قاضی عبدالودود — تحقیقی و تنقیدی جائزے'' میں شامل ہے۔ترتیب و تدوین کے عنوان کے تحت یہ تفصیلات درج کی گئی ہیں:

۱۔ عیارستان (تین کتابوں پر مفصل تبصرے ہیں۔میر تقی میر، حیات اور شاعری از خواجہ احمد فاروقی، دیوانِ فائز دہلوی، مرتبہ مسعود حسن رضوی، مرقع شعرا مرتبہ رام بابو سکسینہ۔)

۲۔ اشتر وسوزن: (دو کتابوں پر تبصرے ہیں۔عمدہ منتخبہ یعنی تذکرہ سرور اور شاد کی کہانی شاد کی زبانی۔)

۳۔ تذکرۂ شعرا، مصنفہ ابن امین اللہ طوفان

۴۔ دیوان جوشش عظیم آبادی

۵۔ قاطع بُرہان اور ورسائل متعلقہ

۶۔ قطعات دِلدار، دِلدار بیگ دِلدار، بہار کے قدیم اُردو شاعر کا کلام۔

۷۔ آثارِ غالب۔آثار غالب کا بہت بڑا کا کلام حصہ قلمی کتابوں سے لیا گیا ہے، جو کتابیں اس وقت دست رس سے باہر ہیں، جس میں فارسی خطوط حکیم حبیب الرحمٰن مرحوم کے ایک قلمی مجموعے سے ماخوذ ہیں۔

۸۔ خطبہ افتتاحیہ بین الاقوامی غالب سیمینار۔

۹۔ شہر آشوب قلق۔(۶)

جمیل احمد خاں نے قاضی عبدالودود کے جن مقالات کی تفصیل دی ہے۔ان کی تعداد ۲۹۰ بتائی گئی ہے۔ان میں سے بیش تر مقالات ماہنامہ ''معیار'' بانکی پور، پٹنہ، ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ، ماہنامہ ''معاصر'' پٹنہ، سہ ماہی ''نوائے ادب'' علی گڑھ، ''نقوش'' لاہور، ''خدا بخش لائبریری جرنل'' پٹنہ کی زینت بنے۔

قاضی عبدالودود دلیل کے ساتھ بات کرنے کو تحقیق کا حُسن خیال کرتے تھے۔یہی سبب ہے کہ وہ کسی تحریر کے تسامحات کی نشان دہی کے لیے اپنے بھرپور مطالعہ سے کام لیتے اور اپنی بات بہر حال اسی اسلوب میں کرتے جو تحقیق کے لیے

بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔اس لیے کہ تحقیق میں شاعرانہ اسلوب اور داستانوی رنگِ بیان کی کوئی گنجائش نہیں۔قاضی عبدالودود کے اس اسلوبِ تحقیق کی بہت سے محققین نے داد دی ہے۔قاضی عبدالودود کا یہ انداز ملاحظہ ہو:

''ڈاکٹر مختارالدین احمد نے پٹنہ کی ادبی شخصیتوں پر جو مقالہ ''نقوش'' میں تحریر کیا تھا، اس میں جناب شاہ محمد حسن بسمل کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ داغ کے شاگرد تھے۔اُن سے اُن کی ملاقات ہوگی اور مشاعروں میں بھی دیکھا ہوگا، لیکن وہ نظر تو نہیں آتی کہ داغ کے شاگرد سمجھے جاسکیں اور وہ میرے رِشتہ دار ہیں اور کسی زمانے میں ہم محلّہ بھی تھے۔داغ کی وفات کے وقت وہ تین چار سال کے ہوں گے، استادی شاگردی کا کیا سوال ہے۔قیس مرحوم نے شاد عظیم آبادی پر جو کتاب لکھی ہے اس میں انھوں نے شاگردِ شاد بتایا ہے، وریہی صحیح ہے۔''(۷)

مولوی عبدالحق نے ''خطبات گارساں دتاسی'' کے مقدمے میں لکھا ہے کہ:

''اس میں (تذکروں کے مقابلے میں) زیادہ تحقیق اور تنقید سے کام لیا ہے۔ایک بات جو ہمارے تذکروں میں مفقود ہے وہ یہ ہے کہ اس نے ہر مصنف یا شاعر کی کلام سے بعض ایسے نتائج اور معلومات اخذ کیے ہیں جن سے اس کی زندگی اور سیرت پر روشنی پڑتی ہے۔۔۔اس کتاب میں جابجا غلطیاں پائی جاتی ہیں۔اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس زمانے میں بہت سی ایسی معلومات ظہور میں نہیں آئی تھیں جو اس وقت ہماری دسترس میں ہیں۔دوسرے آخر وہ غیر ملک کا شخص تھا اور کبھی ہندوستان آنے کا اسے اِتفاق نہیں ہوا تھا۔اس سے ہمارے ادب اور ہمارے معاملات کے سمجھنے میں کہیں کہیں غلطی کا سرزد ہو جانا تعجب کی بات نہیں۔تعجب اس۔۔۔پر ہے کہ اس اجنبی محض نے۔۔۔پیرس میں بیٹھ کر ایسی بے مثل اور عجیب کتاب لکھ ڈالی۔''(۸)

مولوی عبدالحق کی اس رائے کی بابت قاضی عبدالودود لکھتے ہیں کہ:

''تاریخ ادبیات ۳ ضخیم جلدوں میں ہے اور ایک ایسی زبان میں جس سے ڈاکٹر عبدالحق قطعاً نا آشنا ہیں، مگر یہ بات اس سے مانع نہ آئی کہ وہ اس کے متعلق اس طرح اظہار رائے کریں کہ گویا اس کا لفظ لفظ ان کی نظر سے گزر چکا ہے۔یہ ''ہیمثل'' نہ ہو مگر ''عجیب'' ضرور ہے۔وہ ایک ایسی کتاب کے بارے میں جو اغلاط سے بھری ہوئی ہے یہ لکھتے ہیں کہ اس میں جابجا غلطیاں ہیں۔کثرت اغلاط کی محض یہ وجہ نہیں کہ جس زمانے میں وہ وجود میں آئی ہے، بہت سی باتیں جواب منظر عام پر آئی ہیں۔پردۂ اخفا میں تھیں اور دتاسی کو ہندوستان آنے کا موقع نہیں مِلا تھا۔وہ غیر معمولی طور پر بے پروا واقع ہوا تھا، اُردو فارسی سے محض معمولی واقفیت رکھتا تھا، اور جو مواد اس کے پیشِ نظر تھا۔اس سے بھی اچھی طرح کام لے سکتا تھا۔''(۹)

یہ رائے دینے کے بعد قاضی عبدالودود نے گارساں دتاسی کی ۸۰ غلطیوں کی مدلل نشان دہی کر کے دقتِ نظری اور متانتِ فکر کے ناقابل تردید ثبوت فراہم کیے۔یہی نہیں بلکہ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہیں۔قاضی عبدالودود نے بتایا کہ خطبات گارساں دتاسی جو فرانسیسی زبان میں ہے کو فرانسیسی جانے بغیر ترجمے کے اغلاط کی تصحیح ہو سکتی تھی مگر محشیوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی، ترجمہ بے پروائی سے ہوا ہے، کہیں صحیح لفظ نہیں آیا، کہیں مترجم کی طرف سے اضافہ ہے اور کہیں عبارتوں یا کسی خاص لفظ کا ترجمہ نہیں ہوا۔(۱۰) اور اس ذیل میں قاضی عبدالودود نے محشیوں کی اٹھارہ خامیوں کی جانب توجہ دلائی ہے۔ یاد رہے کہ قاضی عبدالودود ''خطبات گارساں دتاسی'' (فرانسیسی) پڑھ چکے تھے۔قاضی عبدالودود حاشیہ میں رقم طراز ہیں کہ:

''فرانسیسی کتاب میری نظر سے گزری ہے مگر اس وقت پیشِ نظر نہیں، میں نے محض چند خطبات کے ترجمے کا اصل سے مقابلہ کیا تھا، میں سب کے متعلق رائے نہیں دے سکتا۔''(۱۱)

مولوی عبدالحق نے میر تقی میر کے تذکرہ ''نکات الشعرا'' کے مقدمہ میں رائے دی کہ یہ تذکرہ اس زمانے کے رواج کے مطابق ہے لیکن اس میں عموماً اور اکثر شعرا کے کلام پر منصفانہ اور بے باکانہ تنقید پائی جاتی ہے۔یہ بات دوسرے تذکروں میں نظر نہیں آئی۔دوسرے ایجاز کے ساتھ اس کی عبارت میں شگفتگی اور پختگی بھی ہے۔(۱۲) اس رائے کے جواب میں قاضی

عبدالودود نے لکھا کہ:

''نکات کے ۱۰۳ شعرا میں سے صرف ۱۳، ایسے ہیں جن کے کلام کی نسبت میر کی رائے ''بیباکانہ'' کہی جاسکتی ہے۔ اس موقع پر قاضی عبدالودود نے یکرو، یقین، عاجز، فضلی، داود، محمد علی حشمت، تاباں، خاکسار، قدر، عاجز، عشاق، قدرت کے نام کے بارہ شعرا کے حوالے سے میر کی فارسی عبارتوں سے اقتباسات نقل کیے ہیں اور لکھا ہے کہ بیشتر کلام کے بارے میں کوئی رائے ہی ظاہر نہیں کی، بہتوں کی نسبت جو کچھ لکھا ہے اس کے لیے مطلقاً بے باکی کی ضرورت نہ تھی۔''(۱۳)

قاضی عبدالودود کو اصل اعتراض یہ ہے کہ نکات میں بعض شعرا کی شخصیت کی نسبت بھی رائے ظاہر کی ہے، ڈاکٹر عبدالحق اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتے۔ ان کا نمونہ ملاحظہ ہو: آبرو: طبعے شوخے داشت، غرض مستغنی وقت خود بود ''مضمون: بسیار گرم اختلاط، اگرچہ برودت پیری غلبہ داشت'' سعادت: سلیم الطبع، کم سخن، متواضع'' سودا: خوش خلق، خوشخوے، گرمجوش، یار باش شگفتہ روے'' درد: جوان صالح، از درویشی بہرۂ وافی دارد۔۔۔ اگرچہ حُسنِ سلوک او عام سر حُسنِ سلوک بپائے خود گرفتہ اعتزاز را از گوشۂ دِل نہادہ'' محتشم علی خاں حشمت: فہمیدہ سنجیدہ، باہمہ بعجز و انکسار بیش بیآید (می آید؟) جنسے بود کہ در دل ہمہ کس جائے او خالیست، فغاں: قابل و ہنگامہ آرا، حاتم: مرد یست جاہل و متمکن و مقطع وضع، دیر آشنا، غنانہ ارد (ندارد؟) و در یافتہ نمیشود کہ ایں رگ کہن، بسبب شاعریست کہ ہمچو من دیگرے نیست، یا وضع او ہمین است، یقین: این قدر بر خود چیدہ اَست کہ رعونت فرعون پیش وضع اُو پُشت دست برزمیں میگزارد'' (ذال چاہیے) محمد علی حشمت: ''اکثر براشعار (شعر؟) ما مرد ماں اعتراضات بیجا میکرد و جواب باصواب مے یافت۔۔۔ عجب ہنگامہ پردازے بود، در ایں ایام ہمچو او لے ہم بہم نمیرسد، خاکسار: ''خود را دور میکشد و بسیار سفلگی میکند۔۔۔ بسیار کم فرصت و بے تہ است'' قائم: خیرہ وطیرہ، سلام: یار باش و مخاطب صحیح، حقیقت، جمعیت، لیاقت، شخصیت، آدمیت، حرمت، عظمت، ہمہ دارد، قدر: شخصیت۔۔۔ از قید مذہاب (مذہب؟) وملت وارستہ (برجستہ؟) او باش وضع، کافر: وضع او باشانہ، میر گھاسی: تخلص از راہِ اظہار قصور فہم در غزل نمیآرد، ثاقب: در ہمہ چیز دست دارد، و ہیچ نمیداند''(۱۴)

مولوی عبدالحق نے تذکرہ ''عقدِ ثریا'' میں ایک جگہ مصحفی کو حاتم کا ہم عصر بتایا ہے اور لکھا ہے کہ ''مصحفی کی حاتم سے لے کر نصیر الدین تک ذاتی ملاقات تھی۔ بعض ان میں سے بزرگ تھے۔ جیسے حاتم، خواجہ میر درد، میر، سودا، فغاں وغیرہ۔۔۔''(۱۵) اس پر قاضی عبدالودود ''دیوان زادہ حاتم'' کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''حاتم ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوئے تھے اور مصحفی ۱۱۶۱ھ میں کچھ قبل یا بعد متولد ہوئے۔ دیباچہ جس وقت لکھا گیا تھا، مصحفی کی طفولیت کا زمانہ تھا، اس میں نہ ان کا ذِکر ہے اور نہ اس کی کوئی وجہ ہے کہ اس زمانے میں حاتم ان کے بارے میں کچھ لکھتے۔''(۱۶)

مشفق خواجہ نے اپنی کتاب ''غالب اور صفیر بلگرامی'' میں صفیر و غالب کے دو خطوط شائع کرنے کے بعد اُن کے 'متنازع فیہ' ہونے کی بات کی ہے اور مقدمہ میں قاضی عبدالودود کی رائے بھی نقل کی ہے؛ جس میں قاضی عبدالودود نے صفیر و غالب کے دو خطوط کو جعلی قرار دیا ہے۔ قاضی عبدالودود کی رائے ملاحظہ ہو:

''میں نے نادر خطوط غالب کے تبصرے میں جو ''معاصر'' پٹنہ میں شائع ہوا تھا، موصوف (سیّد وصی احمد بلگرامی) سے دریافت کیا تھا کہ صفیر و غالب کے خط انھیں کہاں سے ملے؟ لیکن انھوں نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا۔ یہ دونوں خط میری رائے میں جعلی ہیں اور جعل سازی کی غرض یہ ثابت کرنا ہے کہ سخن، صفیر کے شاگرد تھے۔''(۱۷)

قاضی صاحب نے سبب یہ بتایا کہ:

''صفیر کے خط میں دہلی جانے اور وہاں غالب سے سخن کے متعلق گفتگو آنے کا ذِکر ہے۔ صفیر اوائل ۱۲۸۲ھ میں

دہلی گئے۔۔۔وہاں دوڈھائی مہینے ٹھہرے ہیں۔۔۔اس سے لازم آتا ہے کہ خط دہلی سے واپسی کے بعد کا ہو۔غالب کے خط میں جوان کی عمر کا ذِکر ہے اس سے اس کا زمانہ تحریر ۱۲۸۲ھ ثابت ہوتا ہے لیکن سروش سخن (قطعات تاریخ طبع اور تاریخ دتاسی جلد۲،ص۱۷۱)۱۲۸۱ھ میں لکھنؤ کے مطبع نول کشور نے چھاپ کر شائع کر دیا تھا۔اس لیے یہ ممکن نہیں کہ یہ خط اس کے بعد لکھے گئے ہیں۔جعل کسی ایسے شخص نے بنایا ہے جو سروش سخن طبع اوّل کے سال انطباع سے ناوقف ہے اور اس بنا پر میں یہ سمجھتا ہو کہ اس کے ذمہ دار صفیر نہیں۔یہ مستبعد ہے کہ وہ اسے نہ جانتے ہوں۔''(۱۸)

وسیع المطالعہ ہونا محقق کی شان ہی نہیں ضرورت بھی ہے۔عمیق اور بامقصد مطالعہ محقق کے لیے تحقیق کے راہِ پُر خار میں آسانیاں فراہم کرتا اور بہتر تحقیقی نتائج کے استنباط میں مددگار رہوتا ہے۔اس مقصد کے لیے بین العلومی مطالعہ زیادہ کارآمد ہوتا ہے۔قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ فارسی کے علاوہ انھوں نے پہلوی زبان بھی سیکھی تا کہ وہ قدیم فارسی شعرا کے ساتھ مرزا غالب کو حقیقی طور پر سمجھ سکیں۔وہ مبادیاتِ قانون اور فلسفہ ونفسیات سے بھی آگاہ تھے۔ان کا کہنا ہے کہ منطق نے بتایا کہ تناقض وتضاد کیا ہے اور صحتِ فکر کے لیے مغالطوں سے بچنا کس قدر ضروری ہے،نفسیات نے سکھایا کہ اعمال کے محرکات لازماً وہ نہیں ہوتے جو ظاہر میں نظر آتے ہیں۔شخصیت کا مسئلہ کس قدر پیچیدہ ہے اور کسی انسان کے متعلق رائے قائم کرنا کس قدر مشکل ہے۔قانونِ شہادت کی تعلیم یہ ہے کہ واقعات اور آرا میں تمیز کی جائے۔یہ دیکھا جائے کہ گواہ جو کچھ کہتا ہے وہ کس حد تک ذاتی مشاہدے پر مبنی ہے اور کس حد تک سماعت پر۔گواہوں کے بیانات پر کسی اچھے وکیل کی جرح جس شخص نے دیکھی ہے۔اسے اس کا احساس ہوگا کہ جو باتیں پہلے بڑے اعتماد سے کہی گئی تھیں، وہ کتنی ناقابلِ قبول تھیں۔گواہ صادق القول ہو جب بھی اس کا اِمکان رہتا ہے کہ اس کا مشاہدہ صحیح نہ ہو اور اُس کا بیان غلط فہمی پر مبنی ہو۔(۱۹) آگے چل کر قاضی عبدالودود نے تحقیقات سے دلچسپی رکھنے والوں کو اسٹیفلی گارڈنر کے وہ ناول پڑھنے کی ترغیب دی ہے جس میں پیری میسن گواہوں پر جرح کرتا ہے۔انھوں ایک یورپی نقاد کا قول بھی نقل کیا ہے کہ ادب کی رُوح کا اظہار ایک بڑی علامتِ استفہام سے ہوتا ہے۔کوئی بات محض اس لیے قبول نہیں کی جاتی کہ مدت دراز سے لوگ اسے مانتے آئے ہیں۔ہر مسئلے پر از سرِ نو غور کیا جاتا ہے۔(۲۰)

''قاضی صاحب نے تبصروں کے واسطے سے نئی نسل کو تحقیق کے آداب سکھائے،اصولوں کا عرفان بخشا اور احتیاط کی اہمیت کو ذہن نشین کیا۔اُن کے تبصروں میں تحقیق کے طریقۂ کار کے سلسلے میں سب سے زیادہ مواد محفوظ ہے اور تحقیق کا کوئی طالبِ علم اِن تبصروں کو پڑھے بغیر بہت سے ضروری امور سے واقف نہیں ہوسکتا۔''(۲۱)

یہ رائے سیّد المحققین رشید حسن خاں مرحوم کی ہے۔جنھوں نے اپنے ایک مضمون ''قاضی عبدالودود بہ حیثیت تبصرہ نگار'' میں قاضی عبدالودود کے طرزِ تحقیق اور استنباطِ نتائج پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔انھوں نے لوگوں کی آرا کو ردّ کیا ہے جن میں قاضی صاحب کو تخریبی محققین کے زمرے میں شامل کیا گیا ہے۔رشید حسن خاں نے ''تازہ واردِ بساطِ تحقیق'' کو یہ مشورہ بھی دیا ہے کہ آپ کو قاضی صاحب کے جتنے تبصرے مِل سکیں،اُنھیں نہایت غور کے ساتھ دِل لگا کر اور نظر جما کر پڑھ جائیے،آپ کو جہاں بہت سی نئی باتیں معلوم ہوں گی،وہاں یہ بات بھی معلوم ہوگی کہ قاضی صاحب نے اپنے تبصروں میں صرف اعتراضات نہیں کیے ہیں،صرف غلطیاں نہیں نکالی ہیں،صحیح بات کو بھی بتایا۔یہ بھی بتایا ہے کہ جو کچھ لکھا ہے وہ اگر غلط ہے تو کیا لکھنا چاہیے تھا۔''(۲۲)

قاضی عبدالودود کو ستائش گر بھی بہت ملے مگر قاضی صاحب کے مانند دوٹوک بات کرنے والے بھی کم نہیں ہیں۔ڈاکٹر نثار احمد فاروقی یہ تو مانتے ہیں کہ قاضی عبدالودود نے ادبی تحقیق کے ذیل میں جو خدمات انجام دی ہیں۔وہ اہم ہیں کہ انھوں نے اپنے معاصر اہلِ قلم کے شعورِ تحقیق کو بیدار کرنے میں بہت اہم رول ادا کیا۔وہ زمرۂ اہلِ تحقیق میں اپنی منفرد خصوصیات سے ہمیشہ نمایاں رہیں گے۔تاہم اُن کا کہنا ہے کہ قاضی صاحب اپنی 'انا' کے حصار سے باہر نہیں آسکے۔ان کی تحقیق

شک اور الزام سے شروع ہوتی ہے اور وہ آخر تک اس چکا بو سے باہر نہیں نکل پاتے۔(۲۳) ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، قاضی عبدالودود کے طرزِ تحقیق کو زیادہ پسند نہیں کرتے تھے۔اس کے باوصف وہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ قاضی صاحب نے جو تحقیقی کام کیے ہیں ان کی موضوعات کے اعتبار سے اِتنی اہمیت نہیں ہے جتنی اصول وطریق کار اور طرزِ استدلال واستنباط کے اعتبار سے ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ قاضی صاحب نے اپنے معاصر اہلِ قلم کے شعورِ تحقیق کو بیدار کرنے میں بہت اہم رول ادا کیا۔ وہ زمرۂ اہلِ تحقیق میں اپنی منفرد خصوصیات سے ہمیشہ نمایاں رہیں گے۔(۲۴)

کلیم الدین احمد جیسا سخت گیر نقاد بھی قاضی عبدالودود کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ان کا کہنا ہے کہ قاضی صاحب کا نقطۂ نظر سائنٹفک ہے وہ پوری جانکاری بہم پہنچاتے ہیں جو شے جیسی ہے اُسے ویسی ہی دیکھنا چاہتے ہیں اور پھر اسے ویسی ہی پیش کرنا چاہتے ہیں، وہ نہیں چاہتے ہیں کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی ہو، ارادی یا غیر ارادی طور پر اس میں کچھ فرق آئے۔(۲۵)

پروفیسر نذیر احمد وہ باکمال شخصیت ہیں جنھوں نے دوسرے محققین کے مانند قاضی عبدالودود کے حوالے سے لکھے گئے مضامین اور مقالات (جو پہلے ''غالب نامہ'' کے قاضی عبدالودود نمبر کی زینت بنے) کو کتابی صورت دے کر اہم ادبی فریضہ ادا کیا۔''قاضی عبدالودود ـــــ تحقیقی وتنقیدی جائزے'' میں پروفیسر نذیر احمد قاضی صاحب کو ایک قاموسی شخصیت کے مالک قرار دیتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ قاضی صاحب عظیم دانشور اور محقق تھے۔انھوں نے تحقیق کو نئے جہات سے آشنا کیا، روایت پرستی پر ضرب کاری لگائی، بے باکی کا درس دیا، مرعوبیت کا طلسم توڑا، ان وجوہ سے ان کی تحقیق اس درجے پر پہنچ گئی کہ ہندوستان ہو یا پاکستان، یہاں کا کوئی محقق ایسا نہیں، جو قاضی صاحب سے متاثر نہ ہوا۔(۲۶) عصرِ حاضر میں جامعات کی سطح پر بقیدِ حیات اہلِ قلم پر تحقیق کام کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔خدشہ یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ محقق کسی دباؤ میں آکر حقِ تحقیق ادا نہیں کر پائے گا یا پھر وہ کسی مصلحت کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔ایسے میں قاضی عبدالودود کا طرزِ تحقیق ہی ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ اگر ایک محقق ہزار خوف کے باوصف قلندروں جیسا طریق اختیار کر لے اور اس کی زباں دِل کی رفیق ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ بقیدِ حیات اہلِ قلم کے حوالے سے اسی طرح دادِ تحقیق دی جا سکے جس کا پرچم پہلے پہل بڑی جرأت اور متاثر کُن اِستقامت کے ساتھ قاضی عبدالودود نے ہی بلند کیا تھا۔

جامعات میں محقق کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے اس کے محتاط ہونے کے وصف کو خاص طور پر اجاگر کیا جاتا ہے۔قاضی عبدالودود اِس حوالے سے ممتاز ترین منصب پر رونق افروز ہیں۔جان بوجھ کر خاموشی اختیار کرنا اُن کے بس میں نہ تھا۔انھوں نے تحقیق میں قانونِ شہادت کو اس عمدگی کے ساتھ برتا ہے کہ اس کی بدولت اردو تحقیق نئے جہانِ معانی سے آشنا ہوئی۔قاضی عبدالودود کے بغیر اردو تحقیق وتدوین کو موجود معیار ومقام تک پہنچنے میں جانے کتنے برس مزید انتظار کرنا پڑتا۔

---

## حوالہ جات وحواشی


۱۔ نیر مسعود، پروفیسر: سیّد مسعود حسن رضوی کی ادبی زندگی، مشمولہ: سیّد مسعود حسن رضوی ادیب ـــ حیات اور کارنامے، نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۹۲ء، ص ۴۶۔۴۰

۲۔ شاہد اقبال، ڈاکٹر سیّد: اُردو تحقیق میں قاضی عبدالودود کے امتیازات، مشمولہ: تحقیق وتدوین، مرتبہ: پروفیسر ابن کنول، دہلی: کتابی دُنیا، ۲۰۰۶ء، ص ۸۹۔۲۸۸

۳۔ عبدالودود، قاضی، مشمولہ: قاضی عبدالودود ـــ تحقیقی وتنقیدی جائزے، مرتبہ: پروفیسر نذیر احمد، نئی دہلی: غالب انسٹی

ٹیوٹ،۱۹۹۱ء،ص ۸۸۔۱۷۳

۴۔ عبدالودود، قاضی، ایضاً، ص ۱۸۰

رسالہ ''نقوش'' لاہور کا آپ بیتی نمبر دو ضخیم و جسیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ قاضی صاحب کا خودنوشت مضمون دوسری جلد میں شامل کیا گیا ہے (صفحہ نمبر ۱۰۱۵ تا ۱۰۲۱) نقوش کا یہ شمارہ جون ۱۹۶۴ء میں اِدارہ فروغ اُردو، لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوا۔ مدیر محمد طفیل تھے۔ اس مضمون کے حواشی میں قاضی عبدالودود نے ابتداً اپنے شاعر اور کہانی نویس ہونے کی جانب بھی اِشارہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں شاعر ہرگز نہیں لیکن موزوں طبع ضرور ہوں۔ لڑکپن میں بہت سے مصرعے موزوں کیے۔ پہلا مکمل شعر جو میں نے بیت بازی کے سلسلے میں شاید بارہ برس کی عمر میں کہا یہ تھا۔

ژولیدہ بال کیوں ہیں چہرہ ہے کیوں پریشاں
مرگِ رقیب کی کیا تم نے خبر سنی ہے

ڈاکٹر مختارالدین نے جو اشعار اپنے مضمون میں میری طرف منسوب کیے ہیں۔ ان میں سے کچھ فارسی اشعار کا ترجمہ ہیں یہ بات نہ جانے کیوں اُنھوں نے نہیں لکھی۔ (نقوش آپ بیتی، نمبر لاہور، ص ۱۰۱۸)

قاضی عبدالودود نے اِسی مضمون کے حاشیہ میں اپنے کہانی نویس ہونے کا ذِکر بھی کیا ہے۔۔۔ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں ''۔۔۔شاید ۱۹۱۴ء میں، مَیں نے ایک کہانی لکھی تھی جو خالص رومانی تھی اور جس کے اسلوب میں پریم چند کا اثر نمایاں تھا۔ وہ پرچہ جس میں یہ شائع ہوئی، میرے پاس موجود نہیں۔'' (نقوش، آپ بیتی نمبر، ص ۱۰۱۹)

۵۔ عبدالودود، قاضی، مشمولہ: قاضی عبدالودود۔ تحقیقی وتنقیدی جائزے، ص ۱۸۰

۶۔ جمیل احمد خاں، مشمولہ: قاضی عبدالودود۔ تحقیقی وتنقیدی جائزے، ص ۴۹۔۲۴۸

۷۔ عبدالودود، قاضی: بحوالہ: قاضی عبدالودود۔ تحقیقی وتنقیدی جائزے، ص ۱۸۳

۸۔ عبدالحق، مولوی، بحوالہ: عبدالحق بحیثیت محقق، مصنفہ: قاضی عبدالودود، پٹنہ: خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۹۵ء

۹۔ عبدالودود، قاضی، عبدالحق بحیثیت محقق، ص ۲۱۷

۱۰۔ عبدالودود، قاضی، ایضاً، ص ۳۴۔۲۳۱

۱۱۔ عبدالودود قاضی، حاشیہ، ایضاً، ص ۲۳۷

۱۲۔ عبدالحق، مولوی، پیش لفظ: تذکرہ نکات الشعرا، اورنگ آباد دکن: انجمن ترقیٔ اُردو، طبع ثانی، ۱۹۳۵ء، ص ۴

۱۳۔ عبدالودود، قاضی، عبدالحق بحیثیت محقق، ص ۱۲۳

۱۴۔ عبدالودود، قاضی، ایضاً، ص ۱۲۵

۱۵۔ عبدالحق، مولوی: مقدمہ: تذکرہ عقد ثریا، دہلیؒ: جامع برقی پریس، بار اول ۱۹۳۴ء، ص ح

۱۶۔ عبدالودود، قاضی، ایضاً، ص ۲۲۰

(i) افسر صدیقی امروہوی نے بھی بہت سے متخالف آرا پر بحث کے بعد مصحفی کا سن ولادت ۱۱۶۱ھ بتایا ہے۔ افسر صدیقی کی یہ کتاب ۱۹۷۵ء میں مکتبہ نیا دور کراچی سے شائع کی۔

(ii) شیخ ظہورالدین حاتم کا مجموعہ کلام ''دیوان زادہ'' کے نام سے شائع ہوا جسے ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے مرتب کیا جو مکتبہ جدید لاہور کے زیر اہتمام ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔

۱۷۔ عبدالودود، قاضی، بحوالہ: غالب اور صفیر بلگرامی، مصنف: مشفق خواجہ، کراچی: مصری مطبوعات، ۱۹۸۱ء، ص ۸۵۔۸۴

قاضی صاحب نے غالب اور صفیر بلگرامی کے خطوں کا جائزہ پر مشتمل مضمون ماہنامہ ''آج کل'' دہلی میں ''غالب کے

خطوط صفیر بلگرامی کے نام'' کے نام سے شائع ہوا تھا۔(بحوالہ: قاضی عبدالودود، تحقیقی وتنقیدی جائزے، ص۲۳۹

۱۸۔ عبدالودود، قاضی، بحوالہ: غالب اور صفیر بلگرامی، ص۸۵

۱۹۔ عبدالودود قاضی: مشمولہ مجلّہ 'معاصر' پٹنہ قاضی عبدالودود نمبر، شمارہ اگست ۱۹۷۶ء، ص۷، بحوالہ: قاضی عبدالودود ___ تحقیقی و تنقیدی جائزے، ص۱۴۴

۲۰۔ عبدالودود قاضی، ایضاً، ص۱۴۴

۲۱۔ رشید حسن خاں: قاضی عبدالودود بہ حیثیتِ تبصرہ نگار، مشمولہ: قاضی عبدالودود ___ تحقیقی وتنقیدی جائزے، ص۱۳۰

۲۲۔ رشید حسن خاں، ایضاً، ص۱۲۶

۲۳۔ نثار احمد فاروقی، ڈاکٹر: اُردو تحقیق کی روایت اور قاضی عبدالودود، مشمولہ: قاضی عبدالودود ___ تحقیقی وتنقیدی جائزے، ص۱۱۷

۲۴۔ نثار احمد فاروقی، ڈاکٹر: ایضاً، ص۲۳۔۱۲۲

۲۵۔ کلیم الدین احمد، پروفیسر: قاضی عبدالودود، مشمولہ: قاضی عبدالودود ___ تحقیقی وتنقیدی جائزے، ص۳۳۔۳۲

۲۶۔ نذیر احمد، پروفیسر، پیش لفظ: قاضی عبدالودود ___ تحقیقی وتنقیدی جائزے، ص۴